دوامِ حدیث

(از افادات استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہم العالی شیخ الجامعۃ السلفیۃ لائلپور)

(۴)

فروری ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع ہونے والی قسط میں بڑی فروگذاشت ہوگئی کہ آخر کی چند سطروں سے پہلے مسودہ کے پورے دو صفحے کتابت سے رہ گئے جس سے عبارت بے ربط ہوگئی۔ اس لئے آج کی قسط "ماقبل کا خلاصہ" سے ہی شروع کی جاتی ہے۔

قارئین کرام اوپر سے مضمون کو ملا کر پڑھیں۔　　　　(رحیق)

ماقبل کا خلاصہ مندرجہ بالا گزارشات کو یہاں مختصراً درج کر دیا جاتا ہے

(۱) قرآن مجید اگرچہ ثبوت کے لحاظ سے متواتر ہے مگر قرآن ہونے کے لئے اس کا متواتر ہونا ضروری نہیں
(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن لوگوں نے قرآن مجید سنا۔ پھر انہوں نے آگے اور لوگوں کو سنایا ان سب کے نزدیک قرآن قرآن ہی تھا حالانکہ اس وقت ان کو تواتر سے نہیں پہنچا تھا۔
(۳) قرآن مجید دلالت کے اعتبار سے بہت جگہ "ظنی" ہے خاص کر اگر روایت اور تعامل سے مدد نہ لی جائے
(۴) کیونکہ امورِ نقلیہ سے مقصودہ افادہ کے لئے جن امور کی ضرورت ہے وہ سب کے سب "ظنی" ہیں۔
(۵) جن کے نزدیک ادلّہ نقلیہ سے یقین ہوسکتا ہے ان کے نزدیک بھی ہر جگہ یقین حاصل نہیں ہوتا
(۶) قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا مدلول یقینی طور پر متعین نہیں ہوسکتا پس ان کی دلالت "ظنی" ہوئی۔
(۷) منطقیوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن مجید بلحاظ مضمون "یقینی" نہیں بلکہ "ظنی" چیز ہے یعنی مقبولات میں داخل ہے جو غیر یقینی ہے۔
(۸) قرآن میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن میں دو احتمال مساوی موجود ہیں۔
(۹) احادیث کا وہ حصہ جن کا دین سے تعلق ہے اکثر یقینی ہیں۔ کیونکہ کچھ تواتر لفظی سے اور بہت سا

تواتر معنوی سے ثابت ہے اور بہت سی احادیث وہ ہیں جن پر امت کا اجماع ہے اور بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کی صحت پر اجماع ہے۔ یہ سب امور ثبوت کے اعتبار سے یقینی ہیں ان کے علاوہ وہ حدیثیں رہ جاتی ہیں جن کی صحت مختلف فیہ ہے ان کے بارہ میں تحقیق سے حقیقتِ حال کا سراغ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ان کی صحت و سقم کے بارہ میں ایک محقق کے لئے مقامِ علم تک پہنچنا آسان ہے۔

(۱۰) حدیث جیسے یقینی ہوتی ہے کبھی ظنی بھی ہوتی ہے جیسے قرآن مجید کہ بلحاظ مدلول کبھی "ظنی" ہوتا ہے اور کبھی یقینی۔

(۱۱) خبر واحد کے ذریعہ خواہ حدیث پہنچے یا قرآن دونوں پر عمل لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	یعنی کیوں نہیں ہر فرقہ سے ایک یا دو یا
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ	زیادہ آدمی نکلتے تاکہ دین میں سمجھ حاصل
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ	کریں اور اپنی قوم کو جاکر ڈرائیں شاید وہ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (سورہ توبہ)	ڈر جائیں۔

اس آیت میں دینی علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر فرقہ سے ایک "طائفہ" نکلے اور علم پڑھ کر اپنی قوم کو وعظ و تبلیغ کرے۔ قاموس میں ہے

والطائفة قطعة من الشی اذ الواحد فصاعداً۔	طائفہ کسی شے کے ٹکڑے ایک یا ایک سے زیادہ کو کہتے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے اگر ایک آدمی بھی واقف ہو جائے تو وہ اپنی قوم کو اکیلا ہی جاکر تبلیغ کر سکتا ہے۔ حالانکہ ایک کی خبر، خبر واحد ہی ہے جو ظنی ہے پس اپنی قوم کو جب قرآن پڑھائے گا یا سنائے گا تو ضروری ہے کہ اس کی قوم اس پر اعتماد کرکے قرآن کو قرآن کہے گی اور قرآن ہی سمجھے گی پس معلوم ہوا کہ قرآن کہنے اور قرآن سمجھنے کے لئے ضروری نہیں کہ تواتر سے پہنچے۔ اگر تواتر ضروری ہوتا تو ایک کثیر التعداد جماعت کو جانے اور وعظ کرنے کا حکم ہوتا۔

(۱۲) ظن کے چار معنی ہیں۔

(الف) ایک یقین ہے جیسے قرآن مجید میں آتا ہے

(ب) دوسرا ظن غالب ہے جس کو قرآن مجید نے علم کہا ہے اصلہ الاعتقاد الراجح کقولہ تعالیٰ ان ظنا ان یقیما حدود اللہ (اتقان ص ۳۶۳/۱۷۰) "وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے" اور احادیث میں سے خبر واحد کو بھی بعض لوگ جو مفید ظن بتاتے ہیں وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے۔ ایسے ظن کو یقین بھی کہتے ہیں۔

(ج) تیسرا معنی شک اور وہم ہے جیسے بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ (الفتح) "تم نے شک کیا اور کہا کہ رسول واپس نہیں ہوگا"

(د) چوتھا معنی جھوٹ ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۔ "یہ لوگ صرف جھوٹ بولتے ہیں"

اسی تیسرے اور چوتھے معنی کے لحاظ سے ظن کی مذمت کتاب و سنت میں وارد ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں حیث وجد الظن مذموما متوعدا علیہ بالعقاب فھو الشک (اتقان ص ۳۶۳/۱۷۰) "یعنی جہاں ظن کی مذمت وارد ہوتی ہے اور اس پر عذاب کا وعید ہو اس سے مراد شک ہے"

"خبر یقینی" کا مطلب یقین اور ظن کے معانی کی وضاحت کے بعد یہ امر بھی معلوم ہو گیا کہ کسی خبر کے متعلق یہ کہنا کہ یقینی ہے۔ اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔

(۱) کہ اس کا ثبوت یقینی ہے یہ یقین متواتر ہونے کی بنا پر ہو یا یہ کہ اس پر اجماع ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سننے کی وجہ سے۔

(۲) کہ اس کا مفہوم یقینی طور پر یہی ہے اس لئے کہ یہ محکم ہے یا مفسر صرف نص یا ظاہر یا مؤول یا خفی یا مجمل یا مشکل یا متشابہ نہیں۔

(۳) اس کا مضمون یقینی ہے کیونکہ بدیہی ہے یا اس پر برہان موجود ہے۔

اس دعوے کی حقیقت کہ دین یقینی ہونا چاہیئے اس وضاحت کی روشنی میں دیکھئے کہ اس دعوے کا کیا مطلب ہے کہ "دین یقینی ہونا چاہیئے ظنی چیز دین نہیں بن سکتی" اگر "یقینی" کا مطلب یہ ہے کہ ثبوت یقینی ہو تو کیا اس سے مندرجہ ذیل باتوں کا ماننا لازم نہ آئے گا۔

(۱) قرآن مجید کی تبلیغ کرنے کا حق ایک آدمی کو نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس قدر آدمی ہونے چاہئیں جن سے

تواتر متحقق ہو جائے کیونکہ تواتر کے بغیر جو خبر ہوگی ظنی ہوگی۔ اور "ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی"۔

(۲) کسی اخبار یا پرچے میں ایک آدمی کے مضمون کو دین سمجھ کر شائع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایک آدمی کی خبر ظنی ہوتی ہے اور "ظن دین نہیں ہو سکتا" بلکہ اس قدر آدمی ہونے چاہئیں جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

(۳) پھر تبلیغ میں بھی ایک آدمی کا ترجمہ معتبر نہیں ہوگا کیونکہ ایک کی بات ظنی ہوتی ہے اور "ظن امر دین نہیں ہو سکتا"۔

(۴) لغت میں ایک آدمی کی شہادت ناقابلِ اعتبار ہوگی جس طرح عام طور پر اہل لغت ایک ایک آدمی کی شہادت کو لے لیتے ہیں کیونکہ یہ چیز ظنی ہوگی "اور ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی"۔

یقینی حدیثوں کو تو مانیئے ظاہر ہے کہ خبر واحد پر ایسی "سوء ظنی" سے نہ دنیا کا نظام چل سکتا ہے نہ دین کا۔ کیا خوب فرمایا ہے ساتویں صدی ہجری کے شیخ الاسلام عز بن عبد السلام (۶۶۰ھ) نے الاعتماد فی جلب مصالح الدارین ودرء مفاسدھما علی ما یظھر فی الظنون.... (ثم ذکر امثلة بعضها وقال فی آخرها ومعظم ھذہ الظنون صادق موافق غیر مخالف ولا کاذب فلا یجوز تعطیل ھذہ المصالح الغالبة الوقوع حذرا من ندور کذب الظنون ولا یفعل ذلك الا الجاھلون (قواعد الاحکام ص ۳ / ۱۷) "یعنی دین و دنیا کے اکثر کاموں کی بنیاد ظن پر ہے جو عموماً ٹھیک ہوتے ہیں۔ صرف "ظنی" کے وہم پر ترک اعمال جہالت ہے۔

علاوہ ازیں اگر احادیث اس لیئے دین نہیں کہ "ظنی" ہیں تو جو حدیثیں یقینی ہیں ان کو دین ماننا چاہیئے چنانچہ مندرجہ ذیل قسم کی حدیثیں یقینی ہیں۔

(۱) جو لفظاً متواتر ہیں ـــــ واضح رہے کہ متواتر میں عدد معین کی شرط صحیح نہیں بلکہ جس عدد سے علم حاصل ہو وہ متواتر کے لیئے کافی ہے اور راویوں کے صفاتِ عالیہ گنتی کے قائم مقام ہو جاتے ہیں بلکہ بہت سی گنتی سے بڑھ بھی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ نکت علوم الحدیث اور شرح نخبۃ الفکر میں میں نے اس شخص کا رد کیا ہے جو کہتا ہے کہ متواتر میں مثال صرف حدیث (من کذب علی متعمدا) (الحدیث) ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ متواتر کی مثالیں بہت ہیں مثلاً (الف) من بنی للہ مسجدا (الحدیث (ب) موزے پر

مسح کرنے کی حدیث (ج) رفع یدین کی حدیث (د) شفاعت کی حدیث (ھ) حوض کی حدیث (و) آخرت میں اللہ کے دیدار کی حدیث (ز) الاّ قمتہ من قریش (فتح الباری ص۱۴۱)

(۲) وہ حدیثیں جو معناً متواتر ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ نے فرمایا ہے کہ طہارت، نماز، زکاۃ، روزہ، حج، خرید و فروخت، نکاح اور غزوات کے احکام میں بہت سی حدیثیں معناً متواتر ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۴۴)

(۳) تیسری قسم وہ حدیثیں ہیں جن پر امت کا اجماع ہے اور اس قسم کی حدیثیں بے شمار ہیں۔

(۴) چوتھی قسم وہ حدیثیں ہیں جن کی صحت پر محدثین کا اجماع ہے۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم کی حدیثیں جن پر بعد میں کسی محدث نے تنقید نہیں کی (گو وہ تنقید بھی فنی قسم کی ہے) ان چار قسم کی حدیثوں کو بسبب یقینی ہونے کے دین سمجھنا چاہیئے۔ حالانکہ آپ حضرات ہر طرح کی احادیث کا انکار کر رہے ہیں۔

دلالت کے اعتبار سے قرآن و حدیث مساوی ہیں | اچھا تو اگر دین کے یقینی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دین وہ کلام ہوگا جس کا مدلول یقینی ہو تو اس صورت میں قرآن و حدیث دونوں برابر ہیں اس لئے کہ اگر حدیث کے بعض کلمات کی دلالت ظنی ہے تو اس طرح قرآن کے بعض کلمات کی دلالت بھی ظنی ہے چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

اسی طرح دین کے یقینی ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ اس کا مضمون یقینی ہو تو اس اعتبار سے بھی قرآن و حدیث دونوں برابر ہیں متکلمین دونوں کو یقینی کہتے ہیں اور منطقی کسی کو بھی یقینی نہیں مانتے نہ قرآن کو نہ حدیث کو بلکہ دونوں کو مقبولات میں داخل کرتے ہیں۔ اور مقبولات ظنی ہوتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

کیا تاریخ ہونا دین کے منافی ہے | رہا یہ مغالطہ کہ حدیث کی حیثیت دین کی نہیں بلکہ تاریخ کی ہے تو گذارش ہے کہ کسی چیز کا دین ہونا اس امر کے منافی کب ہے، کہ وہ تاریخ بھی ہو۔ دیکھئے قرآن مجید باوجود دین ہونے کے، تاریخ پر بھی مشتمل ہے، اسی طرح احادیث دین بھی ہیں اور ابتدائی تاریخ بھی ہیں۔ جس طرح قرآن مجید میں دین پر عمل کرنے والوں اور منکروں کا مفصل بیان ہے اسی طرح احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا ذکر ہے۔ احکام قرآن مجید میں بھی ہیں، احادیث میں بھی ہیں۔

قرآن کے یقینی ہونے کے دلائل کی حقیقت | اس کتاب میں حدیث پاک کو ظنی بنانے کے لئے

قرآن کے "یقینی" ثابت کرنے کے کچھ دلائل ذکر کئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کا جائزہ لے کر ان کی حقیقت بھی بیان کردی جائے۔ جس کے ضمن میں اس دعوے پر مزید تنقید ہو سکے گی۔ کہ دین کا یقینی ہونا ضروری ہے

پہلی مزعومہ دلیل (۱) وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا ان اللہ علیم بما یفعلون (یونس)" اکثر ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ یقیناً ظن، حق کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، (خلاصہ) (مقام حدیث ص ۳۹/۱۷)

جواب (۱) یاد رہے کہ کسی خبر کا یقینی ہونا یا بہ[1] اعتبار ثبوت ہوگا یا[2] باعتبار دلالت یا[3] باعتبار مضمون واقعہ بنا بریں اس آیت میں حق اور ظن کا اطلاق تیسرے معنے کے اعتبار سے ہے یعنی شرک حق نہیں ظنی چیز ہے اور واقعہ کے خلاف ہے۔

(۲) ظنی کا اطلاق یہاں پر حق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے اس کا معنی جھوٹ اور باطل کا ہے۔ اور "حق" کا معنی واقعہ کے مطابق ہونے کا ہے۔ جیسا کہ فان الظن اکذب الحدیث (ظن بہت جھوٹی بات ہے) میں ہے۔

(۳) حق، صدق کے معنی میں ہے یعنی سچی اور پکی بات۔ پس ظن کے معنی ہوئے، جھوٹی اور کچی بات اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مشرک اپنے دین میں کسی حجت اور دلیل کی پیروی نہیں کرتے بلکہ اپنے آبا و اجداد کے پیچھے بے سوچے سمجھے چلے جا رہے ہیں۔

(۴) علامہ زمخشری لکھتے ہیں (وما یتبع اکثرھم) فی اقرارھم باللہ (الا ظنا) لانہ قول غیر مستند الی برھان عندھم (ان الظن) فی معرفۃ اللہ (لا یغنی من الحق) وھو العلم (کشاف ص ۹۱/۲۲) یعنی اللہ پر ایمان کا جو دعوے کرتے ہیں وہ "علم" کے درجہ میں نہیں بلکہ "ظن" کے درجہ میں ہے" وجہ یہ کہ اعتقادات میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ دلائل قطعیہ سے پیدا ہوتا ہے صرف ظن کافی نہیں۔ دلائل ظنیہ (باعتبار معنی منطقی) تو عملی احکام میں کام دے سکتے ہیں، اس معنی کی رُو سے ظن سے منطقی معنی مراد لینا پڑے گا اگر ظن کی مذمت کا تعلق خاص محل کی وجہ سے ہوگا

(۵) اصل بات اس آیت میں یہ بتانا ہے کہ دین میں پکی اور سچی بات ہونی چاہیئے۔ لیکن پکی اور سچی ہونے کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ اعتقادات میں اعلےٰ درجہ درکار ہے اور عملیات میں ادنیٰ درجہ بھی

کافی ہے تاہم دونوں مرتبوں کو ظن مذموم نہیں کہہ سکتے بلکہ ظن مذموم شک، وہم، جھوٹ کے معنی میں ہے۔

(۶) منطقی معنی کے ساتھ کسی شے کا ظنی ہونا اس کے حق ہونے کے منافی نہیں۔ ہاں اعتقادات میں چونکہ قطعی دلائل درکار ہوتے ہیں اس لیئے وہاں ظنی دلیل (یعنی منطقی) کا استعمال بھی مذمت ہے۔

متکلمین کے دو مذہب | یہ تقریر ان متکلمین کے مذہب پر ہے جن کے ہاں دلائل نقلیہ سے بھی یقین حاصل ہو سکتا ہے یعنی جب دلائل نقلیہ ثبوت، دلالت اور مضمون کے اعتبار سے یقینی ہوں تو ان سے عقیدہ کا اثبات ہو سکتا ہے ـــــ خواہ وہ دلائل قرآن میں ہوں یا احادیث میں کیونکہ بہت سی احادیث بھی ثبوت و دلالت اور مضمون کی حقیت کے اعتبار سے یقینی ہیں ـــــ اور جو دلائل بلحاظ ثبوت یا دلالت یا باعتبار مضمون کی صداقت کے یقینی نہ ہوں ان سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تاہم ان پر عمل کرنا واجب ہے ـــــ اور اس قسم کے دلائل قرآن وحدیث دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید اگرچہ مضمون کی حقیقت کے اعتبار سے یقینی ہے ـــــ جیسے کہ وہ احادیث بھی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ـــــ مگر دلالت کے اعتبار سے سارا قرآن یقینی نہیں بلکہ بعض احادیث کی طرح ظنی ہے۔ ہاں ثبوت کے لحاظ سے سارا قرآن اور احادیث کا اکثر حصہ بھی ظنی ہے۔ اسی طرح قرآن خبر واحد کے ذریعہ کسی کو اگر پہنچے تو اس وقت اس کا ثبوت بھی ظنی ہوگا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اس قسم کی "ظنیات" پر عمل واجب ہوتا ہے۔ مگر جو متکلمین یہ کہتے ہیں کہ ادلہ نقلیہ سے یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ ظن ہی حاصل ہوتا ہے (جیسا کہ معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا مسلک ہے) ان کے قول کے مطابق یقین سے مراد تصدیق کا وہی مرتبہ مراد لینا پڑے گا جو ادلہ نقلیہ سے حاصل ہوتا ہے اور ظن اس سے کم مرتبہ (جو شک، وہم اور جھوٹ کی صورت میں ہوتا ہے) مراد لینا پڑے گا۔ اس معنی کے اعتبار سے احادیث صحیحہ سب یقینی ہوں گی نہ کہ ظنی۔

معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کے نزدیک ان عقائد میں جن پر شریعت موقوف ہے دلائل عقلیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ دلائل نقلیہ وہاں کارآمد نہیں ہیں۔ اس صورت میں آیت مذکورہ میں عقائد کے معاملہ میں دلائل عقلیہ مراد ہوں گے یعنی مشرکین کے پاس کوئی ٹھوس عقلی دلیل نہیں بلکہ کچی باتیں ہیں جنکو خرص تخمین و ظن جھوٹ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی ٹھوس دلیل یا علم کی بات ہو تو پیش کریں ـــــ بہرکیف آیت میں حق

سے مراد مضمون کا نفس الامر کے مطابق ہونا اور ظن سے مراد نفس الامر کے خلاف ہونا ہے ــــ یاد رہے احادیث اور قرآن کے بارے میں جو یقینی اور ظنی ہونے کی بحث ہو رہی ہے وہ ثبوت کے اعتبار سے ہے نہ مضمون کے نفس الامر کے موافق یا مخالف ہونے کے بارے میں کیونکہ مضمون کی صداقت و عدم صداقت کا تعلق اس بات سے ہے کہ دینی حدیثیں بھی بذریعہ وحی آئی ہیں یا نہیں اگر بذریعہ وحی نہیں آئیں تو جب اللہ کی طرف سے ان کی تردید نہیں ہوئی حکم وحی میں ہیں یا نہیں؟ حدیثوں کو حجت ماننے والے تو اکثر دینی احادیث کو بذریعہ وحی مانتے ہیں اور جو حدیثیں اجتہادی ہیں بصورت عدم تردید ان کو وحی کے حکم میں مانتے بھی ہیں اس صورت میں مضمون کی صداقت کے اعتبار سے قرآن اور دینی حدیثوں کا مرتبہ برابر ہے ــــ پھر بحیثیت دلالت کے اعتبار سے بھی نہیں کیونکہ اس اعتبار سے بھی قرآن حدیث ظنیت اور یقین میں برابر نہیں۔ نیز اس آیت کا تعلق ثبوت کے بارے میں بھی نہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر آیت مذکورہ کو اس دعوے سے کوئی تعلق نہیں، کہ دین یقینی ہونا چاہیئے۔ یہ حضرات "ظن" اور آیت کریمہ کو بے محل استعمال فرماتے ہیں۔

دوسری مزعومہ دلیل (۲) والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق (۳۵/۳۱)

"جو کچھ کتاب سے ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے وہ حق ہے۔" (مقام حدیث ص ۳۹/۱۷)

جواب اس آیت میں بھی مضمون کی صداقت زیر بحث ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا اثبات مقصود ہے نہ کہ ثبوت و عدم ثبوت کے اعتبار سے ظن و یقین ہونا مگر آپ اس سے قرآن کا باعتبار ثبوت کے یقینی ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

تیسری مزعومہ دلیل ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ "اس کتاب میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سراسر حق ہے یعنی یقینی ہے ظنی و قیاسی نہیں الخ (ص ۴۰/۱۷)

جواب (۱) اس آیت کا تعلق بھی مضمون کے نفس الامر کے مطابق ہونے کے ساتھ ہے نہ ثبوت کے اعتبار سے ــــ جس کے لئے آپ حضرات لاتے ہیں ــــ مگر مضمون کے اعتبار سے قرآن و حدیث دونوں برابر ہیں یعنی باعتبار مراتب یقینی ہیں یا ظنی۔

(۲) اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کو اس میں شبہ نہیں کیوں کہ قرآن خود کہتا ہے اِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ "یعنی وہ لوگ سخت شک میں ہیں۔ اگر آیت کا یہ (باقی برصفحہ ۳۹۹)